پروفیسر محمد سلیمان اظہر ایم۔ اے

آیا تھا جب مزاج ترا امتحان پر

جب اہل حدیث کی امامت زیرِ بحث آئی

ان دنوں بدقسمتی سے ہمارے ملک میں یہ ناخوشگوار بحث چل نکلی ہے کہ وہابی (نجدی) یا اہلحدیث کی اقتدا میں حنفی خصوصاً بریلوی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ حرمین شریفین کے عالی قدر اماموں کی پاکستان میں آمد اور عوام کی طرف سے ان کی بے پناہ پذیرائی سے بوکھلا کر ہمارے کرم فرماؤں نے یہ بحث شروع کر رکھی ہے اور فتویٰ بازی کا بازار گرم ہے۔

برصغیر کے اہل حدیث حضرات کے لیے یہ بحث کوئی نئی نہیں ہے۔ جب بھی حضرات مقلدین دلائل کی جنگ ہار جاتے ہیں تو پھر اسی قسم کی صورتِ حال پیدا کر کے اپنے مکتبِ فکر کی بقا کا سامان کیا جاتا ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ اہل حدیث پر مساجد کے دروازے بند کرنے، ان کے مسجد میں آ جانے پر مساجد دھلوانے، رفع الیدین و آمین بالجہر کہنے پر زد و کوب۔ ان کی لامذہبیت کے فتوے، ان کے معاشرتی بائیکاٹ کی تحریکیں۔ ان کے قتل کے سامان اور عدالتوں میں ان کے خلاف مقدمات کا کھیل بہت پرانا ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ ہم (مقلدین) سوادِ اعظم ہیں (جو سراسر غلط دعویٰ ہے) اس لیے ان قلیل التعداد اہل حدیثوں کو دبا لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن ہوتا ہمیشہ ان کے برعکس رہا۔ کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ اس نام نہاد سوادِ اعظم پر کتنی ہی بار فتح یاب ہوا ہے۔ خواہ وہ تقریر و تحریر کا میدان ہو یا عدالتی کارروائیوں کا سلسلہ ہو۔

برصغیر پاک و ہند میں جب مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے وہ مشہور اشتہار شائع کیا جس میں مقلدین سے ۱۰ سوال کیے گئے تھے تو ان کے جواب سے عاجز آ کر حضرات مقلدین نے ہلڑبازی شروع کر دی (یہ ۱۸۷۷ء کے گرد و پیش کی بات ہے) مساجد میں عاملین سنت کا داخلہ بند کیا گیا ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو ناجائز کہا۔ جن مساجد میں اہل حدیث امام و خطیب تھے انھیں نکالنے کی

کوشش کی گئی۔ غرض ملک ایک عجیب ہنگامے کی نذر ہوگیا۔ کہیں مساجد دھلوائی جا رہی ہیں۔ اس لیے کہ عاملین سنت کے قدم اس میں پڑ گئے ہیں۔ کہیں مار پیٹ ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ آمین و رفع الیدین کی سنت کیوں ادا کی جا رہی ہے۔ کہیں عدالتوں میں مقدمات دائر ہیں کہ امام طریق سنت کے مطابق نماز کیوں پڑھاتا ہے۔ اسے برطرف کیا جائے۔

ایسا ہی ایک مقدمہ جو پریوی کونسل تک پہنچا، ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ مقدمہ منصف، سب جج، ہائیکورٹ اور پھر پریوی کونسل لندن میں سماعت ہوا۔ مقدمے کی بنا یہ تھی کہ امام مسجد اہل حدیث ہوگیا ہے۔ اب وہ آمین اور رفع الیدین کا عامل ہے۔ مسجد احناف کی چلی آ رہی ہے۔ امام کے اس فعل سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے امام کو امامت سے برطرف کیا جائے۔ ہماری اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

مقدمہ پہلے منصف کے پاس پہنچا۔ پھر سب جج کے ہاں منتقل ہوگیا۔ جج نے اہل حدیث کے حق میں فیصلہ دیا۔ مقلدین نے بنگال ہائی کورٹ میں اپیل دائر کردی۔ جس نے سب جج کا فیصلہ کالعدم قرار دے کر مقلدین کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف پریوی کونسل لندن میں اپیل دائر ہوئی۔ جس نے ہائی کورٹ کا فیصلہ منسوخ کرکے اہل حدیث کے حق میں ڈگری دے دی اور یہ قرار دیا کہ آمین یا رفع الیدین کرنے والا اہل سنت میں سے ہے۔ نہ کرنے والوں کی نماز میں آمین کی آواز سے کوئی خلل از روئے شرع محمدی نہیں پڑتا۔ اور کوئی دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ اہلحدیث کی اقتدا میں مقلدین کی نماز ناجائز تصور کی جائے۔

یہ مقدمہ سات سال تک مختلف عدالتوں میں جاری رہا۔ اور ہنگاموں سے ہٹ کر دونوں فریقوں کی طرف سے اپنے دعاوی کے حق میں بہترین دلائل پیش کیے گئے۔ عدالتوں نے دلائل کی چھان پھٹک کی اور آخری فیصلہ اہل حدیث کے حق میں ہوا۔ ہم قارئین کے سامنے پریوی کونسل لندن کا مفصل فیصلہ پیش کرتے ہیں اور اپنے کرم فرماؤں سے درخواست کرتے ہیں کہ اس عدالتی فیصلے کو کسی جگہ چیلنج کرکے اسے منسوخ کرانے کی کوشش کریں کیونکہ یہ ۱۸۹۱ء سے آپ کا منہ چڑا رہا ہے اور بحث و نظر کے میدان میں آپ کی تہی دستی کا مذاق اڑا رہا ہے۔

فیصلہ پریوی کونسل لندن مورخہ ۱۲ فروری ۱۸۹۱ء

بمقدمہ اپیل فضل کریم وغیرہ اپیلانٹ بنام حاجی مولا بخش وغیرہ رسپانڈنٹ

بناراضی فیصلہ مصدرہ ہائی کورٹ بنگال۔ اجلاس۔ لارڈ ورٹس۔ لارڈ ہاب ہاؤس۔ لارڈ مارس سر رچرڈ کا رچ۔

بوقت فیصلہ ادخال عرضی دعویٰ ہذا مدعیان مقدمہ تین شخص تھے۔ یعنی دو شخص جو اس وقت اپیلانٹ ہیں اور علاوہ اس کے ایک شخص حافظ مولابخش مدعی تھا۔

حافظ مولابخش امام و مؤذن ایک مسجد واقع تاجپور کا تھا اور دوسرے مدعیان متولی اس مسجد کے تھے۔ مدعا علیہم بارہ اشخاص تھے جو مسجد مذکور میں نماز پڑھتے تھے۔ عرضی دعویٰ میں یہ بیان تھا کہ بعض رواسم جو امام نے جدید قائم کیے تھے ان رواسم کو مدعا علیہم ناپسند کرکے امام کے ساتھ جماعت مسجد کو نماز پڑھانے میں مزاحمت کرتے ہیں۔ وہ لوگ خود عبادت کراتے ہیں یعنی امام بنتے ہیں اور بہت سے دوسرے افعال قبیحہ کرتے ہیں۔

مدعیان نے حسب صراحت ذیل استدعا کی۔

"(الف) عدالت تجویز کرے کہ مدعی (۱) امام و مؤذن مسجد تاجپور کا ہے اور مدعیان نمبر (۲، ۳) متولیان مسجد مذکور کے ہیں اور بحیثیت امام و متولی کے مدعیان کو حق ہے کہ حسب دستور نماز و خطبہ جمعہ و نماز عیدین و منبر و مصلیٰ پر مصلیان مسجد کو پڑھا دیں۔

(ب) عدالت یہ تجویز کرے کہ مدعا علیہم کو حق نہیں ہے کہ مدعیان کے حقوق مذکورہ میں دست اندازی کریں یا کہ افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعوے کے مرتکب ہوں۔

(ج) عدالت یہ تجویز کرے کہ مدعا علیہم کو بحیثیت مسلمان ہونے کے صرف اسی قدر حق ہے کہ صرف بوقت نماز مسجد میں جا کر پیچھے مدعی نمبر(۱) کے نماز پڑھیں اور یہ کہ ان لوگوں کو بغرض دیگر مسجد میں جانے کا حق نہیں۔

(د) عدالت یہ تجویز کرے کہ اگر مدعا علیہم مدعیان کے حقوق امامت و تولیت میں مزاحمت کریں یا افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعویٰ عمل میں لاویں تب مدعیان کو حق ہے کہ مدعا علیہم کو یا کسی دوسرے شخص کو جو ویسا فعل کرے مسجد سے نکال دیں۔" الغرض اولاً عرضی دعویٰ میں استدعا صرف استقراری ڈگری کی تھی۔ اس واسطے عرضی دعویٰ میں ایک استدعا بذریعہ مرمت کے زیادہ کی گئی اور وہ درج ذیل ہے۔

استدعا جدید: مدعا علیہم باز رکھے جائیں کہ حقوق امامت و موذنی میں مدعی نمبر(۱) کے حقوق اور تولیت میں مدعیان نمبر ۲، ۳ کے حقوق میں مزاحمت نہ کریں اور مدعا علیہم پر حکم امتناعی اس نمط کا اجرا

پائے کہ وہ لوگ افعال مندرجہ دفعہ ۴، ۵) عرضی دعویٰ مسجد میں مدعیان کے شریک ہوں اور نہ اس غرض سے مدعیان کی مسجد میں جاویں۔

بیان تحریری میں مدعا علیہم نے اس امر سے کہ حافظ مولا بخش ۲۵ برس سے امام و مؤذن چلا آیا ہے اور دوسرے مدعیان متولی تھے انکار نہیں کیا۔ لیکن یہ بیان کیا کہ مدعیان کے حقوق بوجہ لامذہب ہونے کے زائل ہو گئے۔ اصل عذر مدعا علیہم کے دو ہیں۔

(۱) قبل میں مدعی نمبر ۱ مؤذن تھا اور نماز پڑھاتا تھا لیکن اس نے اپنا مذہب حنفی ترک کر کے وہابی مذہب اختیار کیا ہے۔ پس جب ایسی بات ہے تو مدعی نمبر ۱ از روئے شرع محمدی کسی طرح امامت و موذنی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس لیے نالش ہذا کا اس کو حق نہیں۔

(۲) مدعیان نمبر ۲، ۳ حسب بیان خود ہا متولی نہیں ہیں البتہ وہ لوگ پسران قاضی رفیض الدین متوفی متولی سابق کے ہیں۔ لیکن بوجہ ہونے پسر متولی سابق کے ان لوگوں کو کوئی حق متولی ہونے کا نہیں ہے۔ علاوہ اس کے مدعیان نمبر ۲، ۳ نے اپنا آبائی مذہب سابق ترک کر کے طریقہ وہابی اختیار کیا ہے۔ اس واسطے ان کو مسجد متنازعہ کے منتظم رہنے کا حق نہیں رہا۔

مدعیان نے ایک تردیدی تحریری بیانات مدعا علیہم کی داخل کی۔ یہ تردید مسل میں نہیں ہے اور غالباً وہ تردید کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ بیانات مدعا علیہم سے انکار ہے بماہ اگست ستمبر و نومبر ۱۸۸۳ء مدعا علیہم نے ۳ قطعات درخواست داخل کیے اور ان لوگوں نے جو مدعیان کے ساتھ مخالفت کی تھی اس سے افسوس ظاہر کر کے استدعا کے صدور ڈگری بحق مدعیان کی۔

کوئی حکم مسل میں واسطے التوائے کارروائی بمقابلہ ان مدعا علیہم کے جنھوں نے دعویٰ کو قبول کیا نہیں پایا جاتا۔ لیکن جب مقدمہ ہائی کورٹ میں پہنچا تب ان مدعا علیہم کا نام کارروائی میں باقی نہ رہا بوقت لیے جانے ثبوت کے جس امر کا تکرار فی الاصل فیما بین فریقین تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ یعنی لفظ وہابی سے مدعا علیہم نے کچھ ہی مطلب لیا ہو مگر فی الاصل صرف دو الزام کا مدعیان پر منجانب مدعا علیہم لگایا جانا پایا گیا۔ یعنی یہ کہ مدعیان نے دو رسمیں اختیار کی ہیں جن کو مدعا علیہم برا جانتے ہیں۔ اولاً آمین بالجہر ثانیاً رفع یدین۔

فریقین اپنے کو سنی المذہب بیان کرتے ہیں اور حافظ مولا بخش یہ بیان کرتا ہے کہ ہم ہر چہار امام کو برابر جانتے ہیں۔ امید علی یہ بیان کرتا ہے کہ اگر مولا بخش آمین بآواز بلند اور رفع یدین چھوڑ دے تو اب بھی ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ ہم اس کو وہابی اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ آمین اور رفع یدین

کرتا ہے۔ دونوں پاؤں علیحدہ علیحدہ کر کے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے) پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدعا علیہم کوئی الزام کفر کا مدعیان پر نہیں لگاتے۔ صرف وہی دو الزام لگاتے ہیں اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہو۔ اور بہ نسبت انہی دو الزاموں کے بالکل ثبوت اور بحث داخل و پیش کیا گیا ہے۔ پس تصفیہ طلب امر یہ ہے کہ آمین بالجہر و رفع یدین مانع قیام حافظ مولا بخش بعہدہ خود ہے یا نہیں۔

یہ امر کہ آمین بالجہر و رفع یدین خلاف سنی مذہب نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کیونکہ یہ ہر دو فعل کوئی نہ کوئی امام من جملہ چار امام کے جن کے پیرو سنی لوگ ہیں کرتے ہیں لیکن مدعا علیہم یہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد متنازعہ کو سنی حنفی المذہب نے تعمیر کیا تھا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک آمین بالخفا جائز ہے اور رفع یدین بالکل جائز نہیں۔ اس بات سے مدعا علیہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی شخص غیر مذہب حنفی والا مسجد متنازعہ کا امام و مؤذن و متولی نہیں ہو سکتا اور ثانیاً آمین بالجہر و رفع یدین خلاف طریقہ حنفیہ کے ہے اور مدعیان بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں نتیجے غلط ہیں۔ ہم حکام ولایت نے مضمون بالا غور و تامل کے ساتھ اصل امر تکراری کو بیان کیا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ کی کارروائی میں اکثر اوقات اصل امر تکراری حاضر فی الذہن نہیں رکھا گیا اور بعد اس کے ہم حکام یہ لکھتے ہیں کہ نسبت اس اصل امر تکراری کے اس مقدمہ میں کس کس طور تصفیہ و حکم دیا گیا ہے۔

اولاً منصف نے تجویز کیا کہ مقدمہ قابلِ سماعت نہیں ہے۔ منصف کا وہ فیصلہ بر طبق اپیل مسترد ہو کر باجلاس دیگر بماہ دسمبر ۱۸۸۴ء پیش ہوا۔ اس منصف نے بہ نسبت عہدہ امامت و مؤذنی کے اس نتیجہ کو قبول کیا جو نتیجہ مدعا علیہم نکالتے تھے لیکن بہ نسبت متولی یہ تجویز کیا کہ متولی ناقابل نہیں ہوا۔ منصف کی ڈگری کا مضمون یہ ہے۔

مدعیان نمبر ۲، ۳ متولی مسجد کے رہیں اور مدعی نمبر ۱ بمقابلہ مدعا علیہم مسجد مذکور کے امام اور مؤذن متصور نہیں ہو سکتا اور نہ مدعا علیہم پابند ہیں کہ پیچھے مدعی نمبر ۱ کے نماز پڑھیں۔ مدعا علیہم کو بہر صورت حق ہے کہ مسجد میں اپنے طریقہ پر بانتخاب امام حسب پسند خود نماز پڑھیں۔

بر طبق اپیل منجانب مدعیان کے اڈیشنل سب جج نے بماہ مارچ ۱۸۸۶ء مقدمہ کی سماعت کی جو امور اڈیشنل سب جج نے تجویز کیے ان پر لحاظ کرنا ضروری ہے کیونکہ امور واقعات پر ہائی کورٹ میں اپیل نہیں ہو سکتی تھی۔ خلاصہ امور تجویز کردہ سب جج یہ ہیں۔

۱۔ مدعیان فرقہ عامل بالحدیث موسومہ اہل حدیث میں داخل ہیں (۲) عامل بالحدیث مسلمان سنی المذہب ہیں اور سنت والجماعت میں داخل ہیں (۳) اس امر میں کوئی دلیل نہیں کہ عامل بالحدیث

اشخاص حنفی مذہب کو نماز نہیں پڑھا سکتے (۴) فرق صرف اسی قدر ہے کہ عامل بالحدیث آمین بالجہر اور رفع یدین کرتے ہیں (۵)۔ یہ فرق کوئی ایسا فرق نہیں جس سے اشخاص حنفی المذہب کو باقتدار عامل بالحدیث نماز ادا کرنے میں عذر ہو (۶) عامل بالحدیث قیاس و اجماع کی اسی وقت پیروی کرتے ہیں جب کہ وہ قیاس و اجماع قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو یہ اس قسم کا طریقہ ہے جو ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔

(۷) یہ امر کہ مسجد متنازعہ تعمیر کردہ حنفی المذہب ہے مشتبہ ہے (۸) بالفرض اگر حنفی المذہب نے اس مسجد کو تعمیر کیا ہو تب بھی اس بات کا ثبوت نہیں کہ بانی مسجد نے بہ نسبت نماز پڑھنے عامل بالحدیث کے امتناع کیا ہو (۹) مدعا علیہم کو یہ حق نہیں کہ حسب پسند خود امام منتخب کر کے نماز پڑھیں۔

ان امور و تعاتی کی تجویز کا صرف یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ حافظ مولا بخش عہدہ امامت کے لیے ناقابل نہ تھا اور یہ کہ وہ مستحق حفاظت بمقابلہ مدعا علیہم کے تھا اور یہ کہ فیصلہ منصف قابل استرداد تھا۔ چنانچہ سب جج نے ایسا ہی کیا اور ڈگری بحق مدعی حسب استدعا مندرجہ عرضی دعویٰ معہ خرچہ صادر کی۔

تب مدعا علیہم نے ہائی کورٹ میں اپیل کی اور ہائی کورٹ میں باجلاس دو حاکم کے مقدمہ بماہ دسمبر ۱۸۸۶ء پیش ہوا۔ ہائی کورٹ نے فیصلہ سب جج منسوخ کر دیا کہ فیصلہ منصف بحال کیا۔ حکام ہائی کورٹ نے یہ تصور کیا کہ سب جج نے ان امور کو تجویز کیا ہے جو بالکل غیر متعلق مقدمہ ہیں یعنی یہ امر کہ حنفی المذہب کے واسطے باقتداء عامل بالحدیث نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ عامل بالحدیث اچھے مسلمان ہیں یا نہیں اور امام ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ کل امور غیر متعلق مقدمہ ہیں۔

وجوہات فیصلہ ہائی کورٹ یہ ہیں:۔

امر تصفیہ طلب صرف اس قدر ہے کہ مدعیان جن کو اشخاص حنفی المذہب نے مقرر کیا تھا اور جو بطریقہ حنفی بیس برس تک اپنے عہدے پر کام کرتے آئے ہیں اب مختار اس امر کے ہیں یا نہیں کہ اپنے عہدے کا کام دوسرے طریقہ کے ساتھ انجام دیں۔ کوئی دلیل اس بارے میں پیش نہیں کی۔ کونسل من جانب مدعیان نے اس بارے میں بحث کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے۔ بطور سرسری ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امام و متولی کو حسب دستور و رشد آمد کے کام کرنا چاہیے مدعیان پر یہ ثابت کرنا لازم تھا کہ وہ مستحق تغیر و تبدل کرنے کے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے ثابت نہیں کیا۔

بنا براں ڈگری ہائی کورٹ کے یہ اپیل دائر ہوئی ہے۔ حافظ مولا بخش قبل فیصلہ ہائی کورٹ کے وفات پا گیا لیکن دیگر دو مدعیان کو مقدمہ چلانے کی اجازت دے گیا۔ اگرچہ ان دو مدعیان کی حقیقت

تولیت ہر عدالت سے قائم رکھی گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مدعیان نمبر ۲، ۳ کو یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ ہم مسجد میں اپنے طریقہ پر عمل درآمد رکھیں گے۔ کیونکہ ثبوت سے ظاہر ہے کہ متولیان کو تقرر امام کا حق ہے۔ پس اس معاملے میں فیصلہ بے شک ویسا ہی ہونا چاہیے کہ گویا حافظ مولا بخش اپیلانٹ ہے۔ مدعا علیہم معترض جو تین اشخاص ہیں حاضر نہیں ہوئے۔ یہ ایک افسوس کی بات ہے کہ ایسے مقدمے کا فیصلہ صرف من جانب ایک فریق کی بحث پر ہو۔

ہائی کورٹ کے فیصلہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کن وجوہ کی بنا پر اپیل کو قابل سماعت تصور کیا۔ یعنی کس امر قانونی کو سب جج نے غلط فیصل کیا تھا یا متروک کیا تھا۔ ہائی کورٹ کے فیصلہ کا مطلب یہی ہے کہ انھوں نے مسجد تاج پورہ کو ایک خاص قسم کی جائداد موقوفہ تصور کیا لیکن یہ ایک واقعاتی بات ہے اور اس کا کوئی ثبوت تحریری موجود نہیں۔ سب جج کی تجویز امور واقعاتی پر ناطق تھی اور ناطق ہے۔ اس بارہ میں سب جج نے جو تجویز بہ نسبت نمبر ۲ مذکورہ کی ہے وہ بالکل مخالف اور مضر مدعا علیہم کے ہے۔ لیکن ہائی کورٹ نے اس بات پر لحاظ نہیں کیا اگرچہ ہم حکام پریوی کونسل کو یہ ضرور نہ تھا کہ امور واقعاتی پر ماسوائے ملاحظہ فیصلہ سب جج زیادہ غور و تامل کرتے لیکن بلحاظ اس امر کے کہ اس مقدمہ کو ہر پہلو و جانب سے جانچنا بہتر ہے۔ ہم حکام نے کل ثبوت کو پڑھنا اور غور کرنا ضروری سمجھا اور بعد اس کے سب جج کی رائے کے ساتھ ہم حکام بالکل مطابقت کرتے ہیں کہ کوئی ثبوت اس بات کا نہیں کہ یہ مسجد صرف واسطے اشخاص حنفی المذہب کے تعمیر ہوئی تھی اور یہ کہ کسی مقصود وقف کی وجہ سے عامل بالحدیث کو امام رہنے کا حق باقی نہیں رہا۔

بہر کیف فیصلہ ہائی کورٹ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ یہ ایک قانونی امر ہے کہ جب کسی عام جگہ میں عرصہ بیس سال تک عبادت بیک وضع ہوتی آوے تو اس وضع میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا کیونکہ امام یا افسر جو کہ ایسا تغیر و تبدل کرے وہ اپنے عہدہ کے قابل نہیں ہے۔ اگر یہ مطلب ہائی کورٹ کا ہے تو ہم حکام پریوی کونسل تجویز کرتے ہیں کہ ہائی کورٹ کی ایسی رائے قانوناً صحیح نہیں اور واقعات کے لحاظ سے بھی ہائی کورٹ کا ایسا تصور کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ بیان یا ثبوت من جانب مدعا علیہم ایسا صحیح نہیں کہ عرصہ بیس برس تک ایک خاص وضع بلا تغیر و تبدل عبادت ہوتی رہی البتہ صرف دو رسم جن کے بارے میں اعتراض ہے کسی قدر زمانہ حال سے ہے۔ علاوہ اس کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام پابند ہے کہ جس طریقہ پر خود وہ امام یا اس کے قبل کا امام عبادت کرتا آیا ہے اسی طریقہ پر عبادت کرے۔ اور اس کو کچھ بھی اختیار رد و بدل کا معمولی امور میں نہیں۔ جو قانون رواسم مذہبی کا ہوتا ہے ممکن نہیں

کہ وہ بھی اس قسم کا سخت حکم رکھتا ہو کہ ذرا سا فرق کرنا بھی ممنوع ہو۔ اور بہ نسبت امور تکراری مقدمہ ہذا کوئی خاص قانون رواسم مذہبی تکراری کے بارے میں نہیں اگر وہ اصول مان لیا جاوے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر حافظ مولا بخش کوئی معمولی امر عبادت میں ایسا زیادہ کرے جو کسی طرح برا نہ ہو بلکہ بہتر ہو اور کل مصلیان بھی اس پر راضی ہوں تو بھی ایک مصلی یہ ضد کر سکتا ہے کہ چونکہ مولا بخش بیس برس تک امام رہا اور ویسا فعل نہیں کیا اس واسطے وہ باوجود بہتر ہونے اس فعل کے اور رضامندی مصلیان کے نہیں ہو سکتا۔ الغرض ہر مقدمہ میں اصل امر غور طلب یہ ہوگا کہ جو فعل کہ نیا کیا جاتا ہے وہ فعل کس قسم کا ہے یعنی ایک ضروری امر ہے یا غیر ضروری۔ اس بارے میں سب جج نے نہایت عمدہ طور سے فیصلہ لکھا تھا لیکن ہائی کورٹ نے ان ضروری باتوں کو غیر متعلق مقدمہ کہہ کر لحاظ نہیں کیا اور امور تکراری دربارہ ثبوت فریقین و ثبوت پر لحاظ نہیں کیا۔

ہم حکام پیریوی کونسل طریقہ ہائی کورٹ کی پیروی نہیں کر سکتے کیونکہ اگر فیصلہ بحق مدعا علیہم کسی دوسری عمدہ وجہ کی بنیاد پر ہوتا تب بھی ایک بات تھی اور اس بنیاد پر غور کیا جاتا۔ بر بنیاد دستور جو فیصلہ ہوا وہ کسی طرح قابل پسند نہیں ہو سکتا۔ اس مقام پر تا وقتیکہ فیصلہ الہ آباد ہائی کورٹ مندرجہ جلد ۱۳ صفحہ ۴۹ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ تجویز کیا ہے کہ مسجد ملک خدا ہے اور کل مسلمان اسکو استعمال کر سکتے ہیں اور کوئی خاص فرقہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ صرف ہم استعمال کریں گے اگر یہ اصول قائم کردہ الہ آباد ہائی کورٹ قبول کیا جائے تو اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہائی کورٹ کا ہو وہ بالکل غیر درست معلوم ہوگا۔

اس فیصلہ الہ آباد ہائی کورٹ پر مسٹر ڈائن صاحب نے تکیہ نہیں کیا اور نہ وہ مسئلہ اس مقدمہ میں امر تکراری ہے کیونکہ یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ اس مسجد کو صرف کسی فرقہ کے مسلمان استعمال کرتے تھے اس لیے بہ نسبت مسئلہ قائم کردہ حکام الہ آباد کے ہم حکام اس وقت کوئی رائے ظاہر نہیں کرتے۔

جس امر پر بہر دو عدالت ضلع میں زیادہ مباحثہ و تقریر ہوا وہ یہ ہے کہ آیا رفع یدین (کیونکہ صرف بہ نسبت آمین و رفع یدین کے حافظ مولا بخش پر الزام لگایا گیا ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عامل بالحدیث بیان کرتا ہے اور اس کے مخالفین اس کو وہابی بیان کرتے ہیں) اس قسم کا نیا فعل ہے یا نہیں جس کے سبب سے کوئی شخص مستحق امامت کا ایسی مسجد میں نہ رہے جس میں آمین و رفع یدین نہ ہوتا آیا ہو۔ اگر اس سوال کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ہاں آمین و رفع یدین اسی قسم کا فعل ہے تو یہ جواب خواہ مبنی بر حکم صریح شرع محمدی کے ہوگا یا مبنی اوپر دستور کسی فرقہ مذہبی کے اور اس قسم کے دستور قدیم ہوگا جس

کی وجہ سے وہ فرقہ کسی دوسرے فرقہ مخالف کے ساتھ نماز پڑھنے کا مجاز نہ ہوگا۔ دربارہ حکم صریح قانونی کے ہم حکام پریوی کونسل کہتے ہیں کہ ایسا کوئی معتبر قانون مرجحہ شرع محمدی کا دکھلایا نہیں گیا۔ ہدایہ میں باب الصلوٰۃ بہت طوالت کے ساتھ ہے اور اس میں رائے ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد ابو یوسف و عبداللہ محمد کی جیسا کہ ششم صدی ہجری میں سمجھا گیا درج ہے لیکن مسٹر ہملٹن جنھوں نے بحکم گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے کتاب ہدایہ کا ترجمہ کیا۔ باب الصلوٰۃ کا ترجمہ نہیں کیا کیونکہ انھوں نے سمجھا کہ اس باب سے فیصلہ جات متعلقہ جائداد کا کوئی تعلق نہیں اور جہاں تک ہم حکام جانتے ہیں اس باب کا ترجمہ انگریزی میں اصل کتاب عربی سے نہیں ہوا اور نہ کوئی کتاب منجانب مدعا علیہم ایسی پیش کی گئی کہ جو شخص مقلد امام ابوحنیفہ کا ہے وہ اگر کوئی فعل دیگر امام کا کرے گا تو وہ برا ہے۔ یا اس سبب سے وہ حنفی باقی نہیں رہے گا۔ بہ نسبت لفظ آمین کے الہ آباد ہائی کورٹ میں دو فیصلے ہوئے ایک وہ فیصلہ جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا دوسرا فیصلہ جلد ۷ صفحہ ۱۳۶ میں درج ہے۔ یہ مقدمہ یعنی ملکہ معظمہ بنام رمضان ایک فوجداری کا مقدمہ تھا۔ اس مقدمہ میں تکرار یہ تھا کہ آیا لفظ آمین ایسا بر الفظ ہے یا نہیں جس سے دوسرے لوگوں کو صدمہ پہنچے۔ ہر دو مقدمہ میں جسٹس محمود نے بہت صراحت کے ساتھ لکھا تھا کہ لفظ آمین کس طور سے استعمال کرنا چاہیے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ مطابق مذہب ابوحنیفہ کے آمین آہستہ کہنا چاہیے مگر ہر سہ امام دیگر کے مطابق باآواز بلند کہنا چاہیے اور اپنی رائے یہ لکھی ہے کہ آمین کہنا ضروری ہے مگر کس قدر زور سے کہنا چاہیے اس کی نسبت کوئی دلیل یا حکم نہیں۔ ہر دو مقدمات میں یہ تجویز ہوا کہ سنی المذہب آمین و رفع یدین کر سکتا ہے۔ پس ہم حکام پریوی کونسل یہ تجویز کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی قانون مذہبی موافق مدعا علیہم کے نہیں ہے تب ہم حکام دربارہ دستور و رواج کے غور کرتے ہیں۔ دستور و رواج بالکل ایک امر اتفاقی ہے۔ پس اس بارے میں تجویز سب جج ناطق ہے جیسا کہ اوپر صراحت ہو چکی۔ لیکن چونکہ مقدمہ یک طرفہ سماعت ہوا ہے اس واسطے ہم حکام نے دربارہ اس کے بھی غور کیا اور ثبوت پر لحاظ و تامل کیا اور آخرش بعد لحاظ و تامل کے سب جج کی رائے سے مطابقت کرتے ہیں۔

اہل سنت چار امام کی پیروی کرتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ چار امام کے مطابق قانون مذہب اسلام بایں ترتیب ہے اولاً قرآن، دوم حدیث نبوی، سوم رسوم اجماع، چہارم قیاس۔ یعنی خانگی رائے، مگر ہر چہار امام بہت سے امور فرعی میں مختلف ہیں کہ من جملہ ان اختلافات کے آمین و رفع یدین ہے کوئی شخص چاروں امام کی پیروی ہر امر میں نہیں کر سکتا لیکن ہر امام کا پیرو

مساوی درجہ کا عمدہ سنی شمار کیا جاتا ہے۔ بیان متذکرہ بالا مطابق کتاب کے ہے اور اس بیان کی تائید مولوی نور الحسن کے اظہار سے ہوتی ہے اور بھی بھاری تائید اس کی علمائے دہلی جن کا اظہار ہوا ہے کرتے ہیں۔ تیس علمائے دہلی نے ۱۸۸۸ء میں ایک فتوی تیار کیا جس میں انھوں نے اپنے ہم مذہب کو یہ فتوی دیا کہ امر فروعی ہیں جس میں آمین و رفع یدین شامل ہے آپس میں جھگڑا نہ کریں۔ ان میں سے پانچ علماء کا اظہار ہوا ایک عالم نے یہ اظہار دیا کہ ہم کسی خاص امام کی پیروی نہیں کرتے۔ جس کا مطلب یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ گواہ اپنے کو اس امر کا مجاز سمجھتا ہے کہ حسب پسند اپنے جس کی پیروی چاہے کرے۔ دوسرا عالم کہتا ہے کہ ہم چاروں اماموں کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ ہر امر فروعی میں ہر چہار امام کی پیروی غیر ممکن ہے۔ تیسرے عالم نے یہ اظہار دیا کہ ہم چاروں امام و حدیث کی پیروی کرتے ہیں۔ چوتھے نے یہ اظہار دیا کہ ہم امام ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اس چوتھے عالم نے باوجود حنفی ہونے کے فتوی پر دستخط کیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نسبت آمین و رفع یدین کے ان کی رائے ہے کہ جس طور سے چاہے اس بارے میں عمل کرے۔

نور الحسن گواہ منصف تھے جن کے یہاں اولاً مقدمہ دائر ہوا اور وہی مولوی نور الحسن اس مقدمہ کو فیصل کرتے اگر مدعیان گواہ قرار دے کر مقدمہ کو ٹرانسفر نہ کراتے۔ یہ شخص عالم ہے اور عربی جانتا ہے۔ حنفی ہے اور آمین آہستہ کہتا ہے۔ رفع یدین نہیں کرتا۔ مولوی نور الحسن نے فتوے کے ساتھ اپنی مطابقت ظاہر کی اور یہ نسبت بعض علمائے کرام کے جن کے دستخط ہیں بڑی وقعت ظاہر کی۔ اس نے مندرجہ ذیل اظہار دیا۔ جو لوگ آمین و رفع یدین نہیں کرتے وہ آمین رفع یدین کرنے والوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں اور اس رائے کی تائید میں انھوں نے بہت کتب پیش کی ہیں۔ شیخ احمد یکے از چندہ دہندگان مسجد میں سے ہیں۔ یہ گواہ نمبر ۱ مدعا علیہم کے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ہم عامل بالحدیث اور احناف دونوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور چونکہ انھوں نے مکہ کی زیارت کی ہے۔ اس واسطے وہاں کا حال یہ بیان کیا ہے کہ پیروان ہر چہار امام پیچھے عامل بالحدیث کے نماز پڑھتے ہیں اور عامل بالحدیث پیچھے پیروان ہر چہار امام کے اور ناجیور اور اس کے قرب و جوار میں بھی احناف پیچھے عامل بالحدیث کے نماز پڑھتے ہیں۔

جو حال مکہ کا گواہ ہذا نے بیان کیا ہے وہ مطابق رائے جسٹس محمود کے ہے جو مقدمہ ملکہ معظمہ بنام رمضان درج ہے۔ گواہ ہذا نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کعبہ میں ہر چہار فرقے کے لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کسی فرقہ کی نماز ناجائز نہیں ہوتی۔ اس گواہ کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد ناجیور میں اگرچہ زیادہ لوگ جانے والے حنفی فرقہ کے

ہیں مگر سوائے مدعا علیہم کے کسی مصلی کو بہ نسبت طریقہ عبادت حافظ مولا بخش کے اعتراض نہیں۔ برخلاف اس قدر ثبوت ورائے علمائے مذہب اسلام اور نیز خلاف طریقہ مجاریہ مصلیان اسلام کے کیا ثبوت من جانب مدعا علیہم گزرا ہے۔ من جانب مدعا علیہم سادہ کاغذ کے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نہ کتاب نہ رائے علما۔ نہ طریقہ مجاریہ کسی فرقہ کا دکھلایا۔ سب جج کی رائے سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں دکھائی گئی اور سب جج نے جو استدعا مدعیان منظور کی تھی اس سے اختلاف کرنے کی بھی کوئی وجہ درج نہیں۔ البتہ سب جج نے مدعیوں کو استدعا کی منظوری کرنے میں ایک مقام پر پیروی الفاظ مندرجہ استدعا کی ضرورت سے زیادہ کی ہے۔ دفعہ حرف د استدعا واسطے استقراری ڈگری کے ہے کہ مدعیان کو اختیار دیا جائے کہ مدعا علیہم کو بصورت کرنے مزاحمت کے نکال دیں۔ عدالت کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قسم کی استقراری ڈگری صادر کرے۔ مدعیان کو چاہیے کہ حکم امتناعی کو جس کی انھوں نے استدعا کی ہے کافی سمجھیں اور جب ضرورت ہو حسب مشورہ وکلا اس حکم امتناعی سے کام لیں اور فائدہ اٹھائیں۔ ہائی کورٹ الہ آباد کو مناسب تھا کہ فیصلہ سب جج بنا منظوری استدعا مندرجہ دفعہ حرف د ترمیم کرتا اور ماسوائے اس استدعا کے اپیل کو مدعا علیہم کی معہ خرچہ ڈسمس کرتا۔ الغرض ہم لوگ ملکہ معظمہ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ فیصلہ ہائی کورٹ منسوخ کر کے مطابق صراحت بالا ڈگری صادر کریں اور رسپانڈنٹ خرچہ اپیل ہذا کا اپیلانٹ کو ادا کرے۔

ترجمہ ڈگری پریوی کونسل

مورخہ ۲۲ر فروری ۱۸۹۱ء اجلاس ملکہ معظمہ قیصر ہند۔ حاضرین اجلاس آرچ بشپ لارڈ پریسیڈنٹ وغیرہم۔ آج رپورٹ مندرجہ ذیل ۲۱ر فروری از مسلہ پریوی کونسل روبرو ملکہ معظمہ پڑھی گئی۔

مضمون رپورٹ پریوی کونسل

حسب الحکم ملکہ معظمہ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۸۸۸ء مقدمہ اپیل بنا راضی فیصلہ ہائی کورٹ بنگال فضل کریم و فضل الرحیم اپیلانٹ بنام حاجی مولا بخش پریوی کونسل میں پیش ہوا۔ اس مقدمہ میں استدعا مدعیان مندرجہ ذیل ہے (الف نمبر ۱) یہ قرار دیا جائے کہ مدعی نمبر ۱ امام موذن مسجد واقع تاجپور پرگنہ سرشتا کا ہے اور مدعیان نمبر ۲، ۳ متولی مسجد مذکور کے ہیں اور یہ کہ بحیثیت امامت و تولیت کے مدعیان کو حق ہے کہ حسب سند آمد قدیم مسجد مذکور میں خطبہ و نماز جمعہ نیز نماز یومیہ مسجد کے منبر اور مصلے پر مصلیوں کو پڑھائیں (ب نمبر ۲) مدعا علیہم کو حق نہیں کہ مدعیان کے حقوق امامت و تولیت میں مزاحمت کریں یا کہ افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعویٰ کے مرتکب ہوں (ج نمبر ۳) عدالت یہ قرار دے کہ

مدعا علیہم کو بحیثیت مسلمان ہونے کے صرف اسی قدر حق ہے کہ بوقت نماز مسجد میں جاکر باقتدا مدعی نمبر۱ نماز پڑھیں۔ ان کو کوئی حق مسجد میں جانے کا بغرض دیگر نہیں ہے (د نمبر۴) عدالت یہ قرار دے کہ اگر مدعا علیہم بحقوق مدعیان بحیثیت امامت و تولیت کے دست اندازی کریں یا افعال مندرجہ دفعہ ۵ عرضی دعویٰ کے مرتکب ہوں تو مدعیان کو حق ہے کہ مدعا علیہم کو یا کسی دوسرے شخص کو جو ایسا کرے مسجد سے نکال دیں۔ (س نمبر۵) خرچہ دلایا جائے ——— بعد اس کے کل مدعا علیہم نے ماسوائے نور احمد مدعا علیہ کے بیان تحریری داخل کیا فریقین نے ثبوت داخل کیا۔ اور باجلاس منصف مظفر پور بتاریخ ۲۳ر فروری پیش ہوا۔ جس میں یہ حکم ہوا کہ دعویٰ مدعی مع خرچہ ڈسمس ہوا اور مدعا علیہم نصف خرچہ مع سود بشرح ۶ روپے سینکڑہ سالانہ مدعیان سے پاویں لیکن اس حکم سے حقوق عہدہ میں مدعیان کے کوئی ضرر نہ ہوگا اور مبلغ ۲۷ روپیہ خرچہ مدعا علیہم کو دیویں۔ بناراضی اس حکم کے ۲،۴ مدعیان نے سب جج کے یہاں اپیل کی۔ اور سب جج نے بتاریخ ۱۵ر جولائی ۱۸۸۳ء فیصلہ صادر کیا کہ مقدمہ واسطے تجویز ثانی کے منصف کے یہاں واپس جاوے اور فیصلہ منصف منسوخ ہو۔ تب مدعا علیہم نے ماسوائے نور احمد مدعا علیہ کے ہائی کورٹ کو بتاریخ ۲۲ر فروری ۱۸۸۴ء اپیل مع خرچہ کیا۔ تب ثبوت دوبارہ منجانب فریقین گزرا اور منصف دوم مقام مظفر پور نے بتاریخ ۲۷ر دسمبر ۱۸۸۴ء یہ فیصلہ صادر کیا کہ مدعیان نمبر ۲، ۳ متولی مسجد کے رہیں لیکن مدعی نمبر۱ امام و مؤذن مسجد تاجپور کا بمقابلہ مدعا علیہم معترض کے قرار نہیں پا سکتا اور نہ مدعا علیہم پابند ہیں کہ مدعی نمبر۱ کے پیچھے نماز پڑھیں بلکہ مدعا علیہم کو حق حاصل ہے کہ با نتخاب امام حسب پسند خود نماز پڑھیں۔ اور استدعا حکم امتناعی نامنظور ہوتی ہے اور فریقین خرچہ اپنا اپنا ذمے اپنے اپنے جائیں۔ تب مدعیان نے سب جج کے روبرو اپیل کیا اور سب جج نے بتاریخ ۱۵ر مارچ ۱۸۸۶ء یہ فیصلہ صادر کیا کہ اپیل ڈگری ہوا کل استدعا مدعیان منظور کی گئی اور مدعیان خرچہ کل عدالت کا مدعا علیہم معترض سے مع شرح سود ۶ روپیہ سینکڑہ سالانہ پاویں۔ تب امید علی و مولا بخش و رحیم و فضلو نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کیا۔

اور بتاریخ چھ دسمبر ۱۸۸۷ء ہائی کورٹ نے فیصلہ صادر کیا اور فیصلہ سب جج منسوخ کیا اور فیصلہ منصف بحال کیا اور بہ نسبت خرچہ کے یہی حکم صادر کیا۔ تب اپیلانٹان نے اجازت اپیل پریوی کونسل کے لیے استدعا کی اور ہائی کورٹ نے بتاریخ ۱۳ر جولائی ۱۸۸۸ء استدعائے اپیل پریوی کونسل منظور کی۔ پریوی کونسل نے حسب الحکم ملکہ معظمہ کے اپیل سماعت کی۔ مگر منجانب رسپانڈنٹ کوئی حاضر نہ تھا۔ اب پریوی کونسل رپورٹ ہذا حضور ملکہ معظمہ میں ارسال کر کے یہ مشورہ دیتی ہے کہ فیصلہ و ڈگری ہائی کورٹ مورخہ ۶ر دسمبر ۱۸۸۷ء منسوخ ہونا چاہیے اور اگر ملکہ معظمہ رپورٹ ہذا کو پسند کرے تو پریوی کونسل حکم کرتی ہے کہ رسپانڈنٹ خرچہ اپیل ہذا

کا جو ہائی کورٹ میں ہوا ہو اور علاوہ ۲۳۶ پونڈ ۲ شلنگ اور ۴ پنس خرچہ ملک انگلستان کا اپیلانٹان کو ادا کرے۔

ملکہ معظمہ بعد ملاحظہ رپورٹ وحسب مشورہ پریوی کونسل کے پریوی کونسل کی رپورٹ کو پسند کرتی ہے اور ڈگری صادر کرتی ہے کہ فیصلہ و ڈگری ہائی کورٹ مورخہ ۶ دسمبر ۱۸۸۵ء منسوخ ہوا اور فیصلہ و ڈگری ایڈیشنل سب جج مظفر پور باستثناء استدعا دفعہ ۴ عرضی دعویٰ بحال ہوا اور اپیل جو بنا راضی فیصلہ سب جج بعدالت ہائی کورٹ ہوا تھا مع خرچہ ڈسمس ہوا اور اپیلانٹان خرچہ اپیل ہذا جو ہائی کورٹ میں ہوا ہو اور بھی ۲۳۶ پونڈ ۲ شلنگ اور ۴ پنس جو انگلستان میں خرچ ہوا وہ رسپانڈنٹان سے پاویں۔ حکام ہائی کورٹ و دیگر اشخاص متعلقہ واقف و آگاہ ہوں۔ تمام شد

(ماخوذ از آفتاب برہان علی بطلان التبیان از مولانا عبدالاحد خانپوری۔ صفحہ ۳۶۸ تا ۳۸۰

مطبوعہ۔ شریف پریس راولپنڈی۔ شوال ۱۳۳۷ھ)

قارئین کرام! یہ طویل فیصلہ جو برٹش ایمپائر کی سب سے بڑی عدالت سے بنگال ہائی کورٹ کے انگریز ججوں کے فیصلے کے خلاف صادر ہوا۔ بغور ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ اہل حدیث کو اہلسنت قرار دیا گیا ہے۔ اہل حدیث کی اقتداء میں مقلدین کے دلائل سننے کے بعد مقلدین کی نماز کو درست قرار دیا گیا ہے۔ ہم اپنے ان کرم فرماؤں سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اپنے تازہ موقف میں سچے ہیں تو پریوی کونسل میں پیش ہو کر یہ موقف کیوں نہ پیش کیا۔ وہاں سے بھاگ کیوں گئے تھے۔ آخر وہ نئے دلائل کون سے ہیں جو اس فیصلے کے بعد ان لوگوں کے ہاتھ آئے ہیں، وہ دلائل لے کر یہ کسی عدالت میں کیوں نہیں جاتے اور پریوی کونسل کا یہ فیصلہ کالعدم کیوں نہیں کرواتے۔ عوام کالانعام کو ایسی باتوں سے بے خبر رکھ کر کیوں غلط راستے کی طرف ہانک رہے ہیں۔ حقائق کو پس پشت ڈال کر تعصب اور ہٹ دھرمی سے کیوں اپنی عاقبت خراب کی جا رہی ہے۔ حرمین کے ائمہ اور عاملین سنت کو کیوں مورد طعن بنایا جا رہا ہے۔ ہم آئندہ نشست میں علمائے احناف کے دو فتوے آپ کے سامنے پیش کریں گے اور بتائیں گے کہ جن امور کے باعث آج کے مقلدین حضرات اہل حدیث کو مطعون کرتے ہیں، جب آج سے ۹۰ سال قبل انہی امور پر بحث و نظر کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو علمائے احناف نے کس طرح اہلحدیث کے مسلک حق کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

امت ایک غیر منقسم وحدت ہے جسے فرقہ بندی اور انتشار سے محفوظ رکھنا ہم سب کا اولین فریضہ ہے۔